آصف علی

لیکچرر اردو، پی اے ایف
کالج، سرگودھا

محمد سلیم الرحمان کی شعری جمالیات

Abstract:

Saleem ur Rehman stands out prominently among the galaxy of the modern Urdu poets. He exercised different techniques in writing and introducing new aesthetic style in poetry. He presented the dry philosophical thoughts into modern poetry without compromising its beautiful and aesthetic sense. His poetry does not present typical subjects, rather diversity of topics presented in it, is the real hall mark of his poetry. His poetry is reflective of creative and artistic aesthetic sense. His poetry represents various subjects and their manifold connotations and interpretation. In addition to the aforesaid qualities, it also keeps us abreast of the current knowledge of the world that adds to the aesthetic appeal of his poetry. In the pertaining article, the aesthetic factors of his poetry have been dealt in.

کلیدی الفاظ۔ مجید امجد، میرا جی، علی سردار جعفری، اختر الایمان

قیام پاکستان کے بعد جن شعرا نے جدید نظم کی باگ ڈور سنبھالی اُن میں مجید امجد، فیض، میر اجی، راشد، عزیز حامد مدنی، علی سردار جعفری، اختر الایمان، یوسف ظفر، قیوم نظر، وزیر آغا اور دیگر نام شامل ہیں۔ اس کے بعد جو کھیپ سامنے آئی اُن میں محمد سلیم الرحمن کا نام نمایاں ہے۔ محمد سلیم الرحمن نے نظم میں ہر طرح کے تجربات کیے۔ ایک ہی موضوع پر کئی کئی نظمیں لکھیں، مثال کے طور پر اُن کی نظم 'رات'۔ نیز بحور کو توڑ کر اُن میں نئی ترنگ پیدا کرنا اُن کا مشغلہ تھا، بغیر عنوانات کے اُن کی نظمیں پورے پورے

شعری مجموعے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اُنھوں نے تراجم کے حوالے سے بھی اپنانام پیدا کیا۔ اُن کی نظموں میں فکر و فلسفہ کی کئی گرہیں موجود ہوتی ہیں، نیز اُن کے ہاں انگریزی نظم کا منظرنامہ موجود ہے، جس سے اُنھوں نے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا۔ اُن کی نظمیں جمالیاتی عناصر کی عکاس ہیں۔ 'ایک لڑکی' کا ایک روپ دیکھیے :

من کی چھوٹی سی دُنیا میں آشاؤں کا ایک میلہ سا ہے،

☆

خیالوں میں سپنے سنہرے بسے ہیں،

ذرا کوئی اُس سے پر اتنا تو کہہ دے

کہ اے شوخ لڑکی!

تیرے بالوں میں گجرے کی خوشبو بڑی مست، میٹھی سی ہے

تیرے ہونٹوں پہ اَمرت کی دھاریں ہیں

تُو اپنی آنکھوں میں کاجل سجائے ہوئے کتنی سندر نظر آرہی ہے

وہ سن کے لجائے گی، سمٹے گی

اور پھر ہواؤں کے سرگم پہ متوارے نغمے سنائے گی

جیسے کوئی اُس کے دِل کے کناروں کو

چپکے سے چھونے لگا ہو(۱)

بعض اوقات شعرا پر معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات اتنے اثر انداز ہوتے ہیں کہ وہ اُنھیں اپنی تخلیقات میں براہِ راست سمیٹے ہیں، وقتی طور پر تو اُنھیں پذیرائی ملتی ہے، یعنی اُنھیں عصری آگاہی رکھنے والے شعرا کی فہرست میں شامل کر لیا جاتا ہے لیکن یونہی منظر تبدیل ہوتا ہے تو وہ منظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ منطقی استدلال کے بجائے جذباتی انداز اپنایا جاتا ہے، بعض اوقات

شاعر فنی محاسن کا سہارا لیتے ہیں۔ جیسے لفظی بازی گری سے، ڈرامائی عناصر کی مدد سے، صوتی آہنگ کے ذریعے بھی شعر میں چونکاہٹ پیدا کی جاتی ہے۔ اِن کے برعکس محمد سلیم الرحمن ایسے شاعر ہیں جنھوں نے نظم کی اساس اپنی فکر پر رکھی ہے۔ 'آنکھ اور سایہ' میں اِس بنیاد کا یہ حصہ دیکھیے:

مجھ کو معلوم ہے

جب بھی ویران سی شام آئے گی

اور بادلوں کو اُٹھائے ہواؤں کے بوجھل سے دامن اُڑیں گے

خموش اور سنسان گلیوں میں

سونے سمے کی اُداسی کا جادو بڑھے گا

تو تُم اِک نیا روپ دھارے ہوئے آؤ گی

سونی تاریک بارش کی فریاد کا گیت بن جاؤ گی

اِک اندھیرے سے گوشے میں

اِک سایے کی آنکھ بن کر ڈراؤ گی! (۲)

محمد سلیم الرحمن کی نظموں میں بحور کے تجربات بہت ملتے ہیں۔ کسی بھی روایت میں اپنے تجربات اور مشاہدات کو شامل کرنے کا سلیقہ ہر تخلیق کار کو حاصل نہیں ہوتا۔ ہر نسل کا طرزِ احساس اور اُس کی معنویت اور پھر اُس کے اظہار کا فکری منظر نامہ کچھ عرصہ کے بعد مانوس ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات دُہرانے سے یکسانیت کا احساس ہونے لگتا ہے، زبان اور محاورے محض الفاظ کا مجموعہ بن کر رہ جاتے ہیں، پھر زبان میں شاعری کے ذریعے ہی نئے الفاظ کا نفوذ یا کم از کم نئی معنویت کا نفوذ زبان کو تازگی فراہم کرتا ہے، اور یہی کام محمد سلیم الرحمن نے بطریقِ احسن انجام دیا۔ نظم 'بارش کا گیت' میں کہتے ہیں:

یاد کی روٹھی بدلی کو لائی ہوں میں

ایک مدت سے بچھڑے ہوئے

اِن کواڑوں سے، دیوار سے

آج مل مل کے رونے دو،

اِن آنسوؤں، ٹھنڈے سانسوں بھرے گیت سے

دُکھ کی مالا پرونے دو

میں دُکھ کے جنگل کی بھیگی ہوئی شام ہوں

خالی کمروں میں روتی ہوئی آنکھ کا پھول ہوں

کوئی خواہش ہوں، پیغام ہوں (۳)

اُردو نظم کا مزاج عمرانی طور پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کا مرہونِ منت ہے۔ جہاں تک اُردو غزل میں موضوعات کا تعلق ہے تو اُس میں ہجر، تنہائی، بے ثباتی، فنا اور اِسی نوع کے دوسرے حوالے زیادہ دیرپا ہونے کی ایک وجہ ہمارا سیاسی اور معاشرتی زوال ہے، جس کی لمبی چوڑی تاریخ ہے، نظم پر اِس کے اثرات کہاں تک مرتسم ہوئے ہیں یا ہو سکتے ہیں، نظم 'تیسری دُنیا کا چہرہ' میں اِن اثرات کو دیکھا جا سکتا ہے :

میں نے دیکھا ہے اُسے

اورلی اور ہیتھرو، پر

ہاتھ میں تھامے ہوئے کاغذ کے پرزے

ورک پرمٹ، اجنبی گم نام لوگوں کے پتے

مفلسی کا بوجھ، غم کے سوٹ کیس

آنکھ میں مانگا ہوا دُنیائے نو کا خواب

خوبصورت، بے تعصب روشنی ہی روشنی

کتنے میلوں دُور لیکن ایک دھڑکن سے قریب

کوئی ہلتا ہاتھ، روتی آنکھ، کتنے الوداع (۴)

محمد سلیم الرحمن کی نظموں کا بالاستعیاب مطالعہ کریں تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اُن کی شاعری، نظریات کا شکار نہیں۔ وہ ہر بدلتے ہوئے رُخ پر توجہ دیتے ہیں اور اگر اُنھیں اُس کا کوئی پہلو متوجہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ اُسے اپنے رنگ میں اپنا لیتے ہیں۔ لیکن اِن تبدیلیوں نے اُن کے ہاں کسی قسم کے متضاد رویے پیدا نہیں کیے بلکہ امتزاجی اسلوب کی راہ ہموار کی، جس میں بہت کچھ جذب کرنے کی صلاحیت موجود تھی، زیرِ نظر مصرعوں میں شام کے منظر کے مختلف زاویے ملاحظہ کیجیے:

کبھی شام کو ڈوبتی روشنی میں،

دھنک اور شفق کے بسیروں میں کھو کر،

ہوا کے سہارے ہمیں یاد کرنا،

گزر جائے جب برف کی باؤلی رُت،

مگن باڑیوں میں کھلیں لال کلیاں،

تو خوشبو کی خاطر ہمیں یاد کرنا (۵)

محمد سلیم الرحمن کا شعری جمالیاتی شعور اُن کی نظموں کے ظاہری و باطنی معنوی پیرائے سے مشتق ہے۔ شاعر جب کسی لطیف ترین حس سے گزرتا ہے تو وہ ایسی تخیلی دُنیا کا تصور اپنے سامنے پاتا ہے جس میں 'اصل' سے کہیں زیادہ جڑ جاتا ہے اور وہ اِنہی کیفیات کا اظہار کرنے کے لیے ایسی تشبیہات و استعارے استعمال کرتا ہے جو اُس کی تخیلی معنویت کے قریب ہوں، لیکن اکثر شاعر

اِس میں من و عن کامیابی حاصل نہیں کر پاتے۔ محمد سلیم الرحمن کی نظم کے اِن مصرعوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس طرح الفاظ سے طلسماتی معنویت پیدا کرتے ہیں :

دوپہر تھی موسم خزاں کی کچھ خمار سی،

میں تھا اور روشنی کا پھیلتا سمٹتا دل

سایے تھے ہوا کی سان پر چڑھے، مڑے تڑے،

جیسے ہو کٹا پھٹا ساحل

روشنی کا نشہ ایسا تھا کہ میں

جگمگاہٹوں میں راہ بھولتا چلا گیا

دھوپ چھاؤں کے بھنور میں کچے راستوں

اور سبز دوریوں کے جال میں پھنسا رہا

میں کہ ایک لمبی گہری نیند سے

جاگ اُٹھا تھا ایک دِن کے واسطے

چلتا جارہا تھا جیسے دھوپ اور دِن کی کوئی حد نہیں

اور غروب کی طرف ہی کھنچتے جارہے تھے سارے راستے(٦)

محمد سلیم الرحمن نے اپنی فکری جمالیات کے ساتھ ساتھ فنی جمالیات کو بھی نبھایا ہے، اُنھوں نے بحور کے استعمال میں اپنی فنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ نظم آزاد کی صورت ہو یا پابند کی، اُنھیں دونوں میں کمال قدرت حاصل تھی۔ اُنھوں نے اِس مقولے یعنی ہر موضوع اپنی ہیئت ساتھ لے کر آتا ہے، کو درست ثابت کیا ہے۔ پابند نظموں میں مترنم بحریں ملتی ہیں جن کی وجہ سے

اُن کی قرات کا حلقہ وسیع ہو تا ہے، یوں موضوع کی متنوع جہتیں بھی سامنے آتی ہیں، جسے ایک سے زیادہ معنوں میں دیکھا جا سکتا ہے اور جسے انسانی جذبات کی موثر ترجمانی بھی قرار دیا جا سکتا ہے :

آنکھوں کے آگے دُور تک صحرا کے سورج کی چمک
یا دِل کی پیاسی رات میں ریگِ رواں کے فاصلے
یا مدتوں اور دُور تک اِن آنسوؤں کا ذائقہ
جو دِل میں جل تھل تھے کبھی، آنکھوں کا آخر تھے کہیں (۷)

محمد سلیم الرحمن نے نظم کی جدید ہیئتوں اور رُجحانات کو بھی اپنی نظموں میں بر تا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اِس نقطہء نظر کا آغاز کرنے والے تھے تو بے جا نہ ہو گا۔ نظم کے حوالے سے جو امکانات آئے اُن میں 'کولاژ' جو بنیادی طور پر مصوری کی اصطلاح ہے اور اُردو نظم میں بھی اِسے رواج دیا گیا، جن شعرا نے اِسے اپنایا، اُن میں محمد سلیم الرحمن بھی شامل ہیں، اُنھوں نے نہ صرف اِس رُجحان کو تجرباتی سطح پر اپنایا بلکہ اِس کی اصل روح کو بھی مدِ نظر رکھا ہے :

ایک بھیگا ہوا رومال، تمھاری آنکھیں
لال کاغذ پہ چمکتے ہوئے زریں الفاظ
گھومتی سوئیوں میں وقت کی کاری تکرار
دِل میں اِک درد کا ٹوٹا ہوا پُل (۸)

عصری حسیت کا اظہار جمالیاتی شعور کا آئینہ دار ہے، لیکن ایسا نہیں کہ وہ سیاسی عوامل کے پر چار ہی سے ممکن ہو۔ عصری رومانوی اقدار بھی اپنا وجود رکھتی ہیں، اِس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ محبت کی شعریات زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں لیکن اُن کے اظہار میں تبدیلیاں ضرور آتی ہیں، اور اِس کے تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ حسی قدر کا تعلق انسانی ذات کی گہری ساخت سے ہے، اگر وہ اُس کا اظہار بھی اُسی گہرائی سے کرتا ہے تو اُس کے اثرات کہیں دیرپا اور وسیع منظرنامے پر ہوتے ہیں، لیکن دوسری صورت میں اگر رومان کی ظاہری چکاچوند کو زیرِ بحث لایا جائے تو وہ وقتی لطف تو دیتی ہے لیکن اُس میں پائیداری کا عنصر مفقود ہو جاتا ہے۔ محمد سلیم الرحمن کے ہاں رومان پرستی محض وقتی رُجحان نہیں ہے بلکہ ایک مستقل روپ دھارے ہوئے ہے۔ نظم "خوشبو کا بدن "کا یہ ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:

اس کی کمر کی سلوٹوں میں

اب بھی جیتی جاگتی ہے

سر سراتی سانس لیتی ہے یہاں

ایک پاگل سرخ خوشبو کا لباس

میری تنہائی کو پھر سے ڈھانپتا ہے۔(۹)

عصری آگہی کے پس منظر میں اُبھرنے والی جمالیات نہ صرف انفرادی سطح پر اپنی حیثیت نمایاں کرنے میں کامیاب ہوئی ہے بلکہ اِس کے جواہر فطرت شناس بھی ہیں۔ سلیم الرحمن کے مصرعوں کے بطون سے یہ مترشح ہے کہ امکانات کی وسیع ترین کیفیات نے شاعر کو وسعت آمیز کر دیا ہے :

کب داغ دُھلیں اِن کے دریاؤں میں چلنے سے
روشن ہوں کہاں راہیں جل جل کے پگھلنے سے
کیوں دِل میں چراغاں ہو باہر کے اُجالوں سے؟
کیا پیاس بجھے ان کی دو چار پیالوں سے (۱۰)

جدیدیت، آہنگ کی طرزِ نو کے مترادف ہے، جس میں علامتی یا استعاراتی عوامل سے فکرِ تازہ کی نمود ہوتی ہے۔ اُردو اَدب کی تاریخ گواہ ہے کہ جدیدیت کی اِس ہمہ جہت تحریک نے تمام نکتہ ء ہائے نظر رکھنے والی تحریکوں پر اپنے نمایاں اثرات مرتسم کیے ہیں۔خود آگہی کی متوازن صورتِ حال نے اِس تحریک کے لکھنے والوں میں ایسی رسمیات متعارف کرائی ہیں کہ اُن میں کشش پیدا ہو گئی ہے۔یہی اِس تحریک کا خاصا ہے اور اِس کے پنپنے کا جواز بھی۔

☆-☆-☆

حواشی

۱۔ محمد سلیم الرحمن:شام کی دہلیز (لاہور: مکتبہ ادب جدید، ۱۹۶۲ء)،ص ۲۰

۲۔ محمد سلیم الرحمن:منظر جاگتا سوتا ہوا (لاہور:ملٹی میڈیاافیئرز،۲۰۰۷ء)،ص۳۵

۳۔ ایضاً،ص۴۹

۴۔ ایضاً،ص۱۱۲

۵۔ محمد سلیم الرحمن: نظمیں(لاہور:قوسین،۲۰۰۲ء)،ص۲۱

۶۔ ایضاً،ص۳۴

۷۔ ایضاً،ص۶۹

۸۔ ایضاً،ص۹۰

۹۔ محمد سلیم الرحمن:منظر جاگتا سوتا ہوا،ص۱۲۱

۱۰۔ محمد سلیم الرحمن:نظمیں،ص۱۹۹

☆-☆-☆